مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اسلام کے قلعے

اس انقلابی زمانہ میں مدارس عربیہ
کی
ضرورت

جدید اجتماعی و سیاسی تغیرات نے بہت سے قومی و مذہبی مسائل کو موضوع بحث بنا دیا ہے اور زندگی کے بہت سے شعبوں اور اداروں کی ضرورت اور فائدہ پر بحث و تنقید کا دروازہ کھل گیا ہے۔ مسلمانوں کے بعض حلقوں میں سنجیدگی کے ساتھ یہ سوال پیدا ہو گیا ہے کہ عربی مدارس کی اس انقلابی زمانہ میں کیا ضرورت ہے۔ اور ان کے نہ ہونے سے ہماری زندگی کا کون سا خانہ خالی رہتا ہے آج کی صحبت میں ہم اسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کریں گے۔

اس سلسلہ میں چند بنیادی حقائق کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ جو اس مسئلہ میں مبادی کا کام دیں گے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ مسلمان قوم کا مزاج اور قوام دنیا کی تمام قوموں سے مختلف ہے۔ مذہب امت مسلمہ کے خمیر اور ترکیب میں داخل ہے یہ قوم کسی جگہ اور کسی وقت بھی غیر مذہبی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ مذہب اور ایک متعین مذہب (اسلام) کے بغیر اس کا تصور ہی ممکن نہیں۔ مذہب اس کے فکر و عمل کا مرکز۔ اس کے کاموں کی صحت و غلطی اور اس کی ترقی و تنزلی کی میزان اور اس کی صحت طبعی اور انحراف مزاج کا مقیاس ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس امت کی بنیاد ایک خاص قانون (شریعت) اور ایک خاص دستور (قرآن و حدیث) پر ہے یہ قانون مکمل اور یہ دستور منضبط ہے اس امت کو دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلہ میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کی زندگی اور فکر کا سرچشمہ تغیر پذیر انسانی اجتہادات و تجربات اور غیر قطعی نظریات کے بجائے وحی الٰہی ہے۔ دنیا کی دوسری تہذیبوں کے برخلاف اس کی تہذیب و تمدن کی بنیاد، دیواروں اور ستونوں، میناروں اور گنبدوں، کاغذ کے شیرازوں، تصویروں کے نقوش اور موسیقی کے آلات پر نہیں ہے۔ بلکہ چند ابدی حقائق، چند اصول و نظریات اور اس مخصوص اخلاقی فلسفہ پر ہے جو وحی سے ماخوذ اور اس کا پیدا کیا ہوا ہے۔ دنیا کی دوسری "خود رو اور خود ساختہ" قوموں کے برخلاف اس کے مستقبل کی بنیاد اس کے ماضی پر ہے۔ اس کے سامنے زندگی کا ایک بلند ترین معیار اور ترقی کا آخری نمونہ ہے۔ اور یہ نمونہ گذر چکا ہے۔ لیکن تاریخی و تحریری طور پر محفوظ ہے یہ سنت رسول ﷺ۔ اسوۂ صحابہؓ اور خلافت راشدہ کا عہد ہے۔ "سنت" اور "سلف" کی جو اہمیت اسلامی تعلیمات میں ہے غالباً کسی دوسرے مذہب کی تعلیم میں نہیں ہے۔

یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ دین کا مفہوم جتنا اسلام میں وسیع اور ہمہ گیر ہے کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے بلکہ اگر دیکھا جائے تو اسلام کے صحیح نقطۂ نظر اور تعلیمات نبوی کے مطابق سچے مسلمان کی پوری زندگی دین ہے اور نیت کے تغیر سے اس کا ہر کام عبادت ہے اس لئے اس میں دین و دنیا کے شعبے اور ان کے اشخاص اس طرح علیحدہ علیحدہ اور ان کے حدود ایک دوسرے سے اس طرح ممتاز نہیں جس طرح عیسائیوں میں، مذہب مسلمان کی زندگی میں جلد مؤثر ہوتا ہے اور جلد متاثر۔ اگر اس کی زندگی کے مسائل نہایت ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ دین کی روشنی میں اور اس کی مصالحت اور سمجھوتے سے طے نہ کئے جائیں تو نہایت آسانی سے وہ دین سے ٹکرا جاتے ہیں اور مسلمان کی زندگی اور اس کے مذہب پر ان کا اثر پڑتا ہے مثال کے طور پر صلح و جنگ کے قوانین تعزیرات، لین دین کے معاملات، اور کتنے اجتماعی و معاشرتی سیاسی اور معاشی مسائل ہیں جن کا مذہب سے گہرا تعلق اور اسلامی قانون سے ارتباط ہے۔ ان مسائل کو طے کرنے کے لئے کتنی دینی بصیرت اور کس قدر علم کی ضرورت ہے۔

جس قوم کا مزاج اتنا نازک اور پیچیدہ ہو اور جس کے مذہب و قانون کا دائرہ اتنا وسیع ہو اس کے علاج و طبی مشورہ کے لئے کیسے مزاج داں و نباض اور کیسے حاذق کی ضرورت ہے۔

جو طبقہ یا جماعت مسلمانوں کی رہنمائی کے منصب کی امیدوار ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس قانون اور دستور سے واقف ہو اس چشمہ سے سیراب ہو جس سے اس کی زندگی کی نہریں پھوٹی ہیں اور اس کی رگوں میں اس کا آب حیات جاری ہے۔ ان ابدی حقائق کا علم اور ان اصول و نظریات پر ایمان رکھتا ہو اور اس اخلاقی فلسفہ کا قائل اور عامل ہو جس پر اس کے تمدن و تہذیب کی بنیاد ہے اور اس کے ماضی سے باخبر اور اس بلند معیار اور نمونہ سے متاثر ہو جس پر امت کے حال و مستقبل کی تعمیر ہونی چاہئے۔

اس سلسلہ میں ایک اور حقیقت سمجھ لینی چاہئے۔ اسلام دراصل نام ہے اس مستقل واضح اور متعین دینی اخلاقی اور اجتماعی نظام کا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں لے کر آئے۔ اسی کا نام شریعت محمدی ہے اس میں عقائد بھی ہیں اعمال بھی، اخلاق و معاملات بھی۔ باقی جو کچھ ہے یا اس کے لئے وسیلہ ہے یا اس کا نتیجہ امت کا سب سے بڑا فریضہ اس نظام کی حفاظت ہے۔ عقائد کی حفاظت بھی ضروری ہے اور احکام کی حفاظت بھی۔ ضرورت ہے کہ عقائد ان تمام تحریفات سے محفوظ رہیں۔ جو دوسرے مذاہب میں پیش آئیں اور جن کا اس امت میں بھی ہر وقت خطرہ ہے۔ ضرورت ہے کہ نبوت محمدی نے ذات و صفات باری تعالیٰ، توحید و رسالت، قضا و قدر، حشر و نشر، امور غیب اور وحی کے متعلق جو تشریح کی ہے اور ان کے جو حدود قائم کئے ہیں وہ باقی رہیں اس لئے کہ ان تمام مسائل کی بنیاد قیاس و تخمین پر نہیں بلکہ وحی و نبوت پر ہے اور نبوت محمدی نے تکمیل کر دی ہے۔

احکام پر عمل اسی طرح ہو جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہوا۔

شرعی احکام و عبادات میں ترمیم و اضافہ (بدعات) سے محفوظ رکھا جائے۔ پرانے آسمانی مذاہب ان بدعات کی وجہ سے اس طرح مسخ ہوتے کہ اب ان کے انبیاء کے لئے مذاہب کا پہچاننا ناممکن ہے۔

پھر اس کی بھی ضرورت ہے کہ ان عقائد و احکام کی برابر اشاعت و تعلیم ہوتی رہے اس لئے کہ دین کا بقاء اسی پر منحصر ہے۔

اس کے علاوہ امت محمدیؐ کی بعثت کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ وہ دنیا کی بھلائی کی تلقین (امر بالمعروف) اور برائی کی ممانعت (نہی عن المنکر) کرتی رہے ایک آیت میں امت کی پیدائش و ظہور کا مقصد بتایا گیا ہے۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنہون عن المنکر و تومنون باللہ۔ تم سب امتوں سے بہتر ہو جو عالم میں بھیجی گئی۔ اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

لیکن یہ امت کا بحیثیت مجموعی فریضہ ہے اگر اس میں سے ایک معتدبہ جماعت یہ فرض انجام دے تو گویا پوری امت یہ فریضہ انجام دے رہی ہے اس لئے دوسری آیت میں امت کے ایک بڑے گروہ کا جس پر خود امت کا اطلاق ہو سکے یہ فریضہ بتایا گیا ہے مگر اس امت صغریٰ کا پیدا ہونا اور اس کو ان کا موقع دینا خود امت کبریٰ کا فرض قرار دیا گیا ہے فرمایا:

"ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر۔"

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے۔ جو خیر کی دعوت دے نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے۔

اس تقسیم عمل کے اصول کو یہ آیت اور زیادہ واضح کرتی ہے۔

وما کان المومنون ..... لعلھم یحذرون (اور یہ تو ہو نہیں سکتا۔ کہ مومن سب کے سب نکل جائیں تو یوں کیوں نہ کریں کہ ہر جماعت میں سے چند اشخاص نکل جائیں تاکہ دین کا علم سیکھیں اور اس میں سمجھ پیدا کریں۔ اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آئیں تو ان کو خوف دلائیں تاکہ وہ کچھ خوف کریں)

نہایت آسانی سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ مندرجہ بالا فرائض نظام شرعی کی حفاظت عقائد و احکام کو اپنے مقام پر رکھنا اور ان کو تحریف و بدعات سے بچانا شریعت کی اشاعت و تعلیم اور تبلیغ و اصلاح کے فرائض قوم کا وہی طبقہ انجام دے سکتا ہے۔

اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام کے نظام شرعی کی حفاظت اور اس کے لئے ایثار و قربانی صرف وہ طبقہ کر سکتا ہے جس کی ذہنی اور عملی تربیت اس کے موافق ہوئی ہو جس کے رگ و ریشہ میں اس نظام کی محبت اور اس کا

عشق و احترام پیوست ہوگیا ہو۔ اور جس کے قلب و دماغ کی گہرائیوں میں اس کا یقین اتر گیا ہو۔ اسلام کی تاریخ گواہ ہے کہ جب اس نظام پر کوئی ضرب لگائی گئی یا اس کے خلاف کوئی سازش کی گئی تو یہی طبقہ بے چین ہوا اور سر سے کفن باندھ کر میدان میں اتر آیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ۔ زید شہید رحمۃ اللہ علیہ۔ محمد ذوالنفس الذکیہؒ۔ ابراہیم بن عبداللہؒ کی قربانیاں اور سرفروشی اور اموی و عباسی محرف نظام سلطنت کے خلاف تحریک جہاد۔ اسلامی نظام کی حفاظت کی کوششیں ہی تھیں۔ پھر ان خونین معرکوں کے مظلوم شہداء اگر عالم کہلانے کے مستحق نہیں تو روئے زمین پر پھر عالم دین کہلانے کا مستحق کون ہے؟ ان کے حامیوں اور مددگاروں میں بھی سرفہرست نام امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا ہے

جب عباسی سلطنت کی طرف سے امت پر جبریہ خلق قرآن کا عقیدہ مسلط کیا جانے لگا تو اس خطرناک الحاد اور اس غیر اسلامی عقیدہ کے خلاف وقت کی سب سے بڑی شہنشاہی کے مقابلہ میں دین کے لئے جو شخص تنہا میدان میں آیا وہ جماعت علماء کا ممتاز امام احمد بن حنبلؒ تھا جس کے عزم و استقامت اور ایمان کے سامنے حکومت وقت کو جھکنا پڑا۔ اور یہ عقیدہ تاریخی یادگار بن کر رہ گیا ہے۔ آج کتنے مسلمان ہیں جو اس کا مطلب بھی سمجھتے ہیں۔

تیسری صدی کے آغاز میں جب عباسی سلطنت کی غفلت سے بغداد میں سخت ابتری فسق و فجور اور بدامنی پھیلی تو دو عالموں خالد الدریوش اور سہیل بن سلامۃ الانصاری نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا اور قوت و جمعیت کے ساتھ من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ پر عمل کرنا شروع کردیا جس کی پاداش میں وہ دونوں گرفتار ہوئے اور قید کر دیے گئے۔

بعد کے زمانہ میں دو جلیل القدر عالم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور امام ابن جوزیؒ نے اسلامی نظام اخلاق کی حفاظت اور مسلمانوں کی روحانی و دینی اصلاح کے سلسلہ میں جو خدمات انجام دیں ان کے اظہار کی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد اسلامی نظام کو اپنے مرکز اصلی پر لانے کے لئے عقائد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفہیم اور صحابہؓ کے فہم کے مطابق سمجھنے کے لئے امام ابن تیمیہؒ نے جو علمی و عملی خدمات انجام دیں وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔

ہمارے ہندوستان میں اسلام کے نازک ترین دور میں جب مورخ اسلام کے الفاظ میں "عجم کے ایک جادوگر نے بادشاہ کے کان میں یہ منتر پھونکا کہ دین عربی کی ہزار سالہ عمر پوری ہوگئی۔ اب وقت ہے کہ ایک شہنشاہ امی کے ذریعہ نبی امی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین منسوخ ہو کر دین الٰہی کا ظہور ہو۔ مجوسیوں نے آتشکدے گرمائے۔ عیسائیوں نے ناقوس بجائے۔ برہمنوں نے بت آراستہ کئے۔ اور جوگ و تصوف نے مل کر کعبہ اور بت خانے کو ایک ہی چراغ سے روشن کرنے پر اصرار کیا۔" تو جو مسلمان مجاہد اس "فتنہ اکبر" کے مقابلہ کے لئے میدان میں آیا اور جس نے سلطنت مغلیہ کا رخ ہی بدل دیا۔ اور جس کی عہد آفرین تحریک اور انقلاب انگیز تجدید نے اکبر کے گھرانے میں عالم گیر جیسا متشرع فرماں روا اور حامی دین پیدا کیا وہ علماء ہی کا سرتاج مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ

اس کے بعد آج اس وقت تک ان عجمی دیار میں اس غریب الوطن عربی مہمان کی جس نے سرپرستی اور حفاظت کی اور ہوا کے طوفانوں میں اس چراغ کو جو بارہا چراغ سحری بنا۔ گل نہ ہونے دیا۔ وہ علماء دہلی کا مشہور بابرکت خاندان ہے۔ جس میں شاہ ولی اللہ صاحب اپنے مجددانہ علمی کارناموں اور ان کے پوتے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اپنی قربانی اور سرفروشیوں کی بنا پر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

اس کے علاوہ بھی حفاظتِ دین۔ ردّ بدعات، اصلاح رسوم اور الحاد و زندقہ کے مقابلہ کا جتنا کام اس وقت ہوا اور اس وقت بھی ہو رہا ہے وہ سراسر اسی طبقے سے ہو رہا ہے۔

اگر دین اور اس کے شرعی نظام کی ضرورت ہے اور مسلمانوں کو محض ایک قوم بن کر نہیں بلکہ ایک صاحب شریعت و کتاب قوم بن کر رہنا ہے تو مذہب کے محافظین و عاملین اور شریعت کے ترجمان و شارحین کی ضرورت ہے۔ جو ایسے اشخاص پیدا کر سکتے ہیں۔ اور یہ ضرورت مسلمانوں کی ہر قومی ضرورت سے اہم ہے۔

خلافت راشدہ کے طرز کی اسلامی سلطنت میں بھی دینی مدارس اور تربیت گاہوں کی ضرورت ہے تاکہ اسلامی جسم میں ہر دم تازہ خون پہنچتا رہے۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ جس نظام کی پشت پر ایسا ادارہ یا تربیت گاہ نہ ہو جو اس قسم کے اشخاص پیدا کرتا رہے جو اس نظام کو چلا سکیں۔ اگلوں کی جگہ لے سکیں۔ اور اس مشین میں فٹ ہو سکیں اس نظام کی جڑیں ہمیشہ کھوکھلی اور عمر ہمیشہ کم ہوتی ہے۔

اگر برائے نام اسلامی سلطنت بھی ہے تو بھی ایسے اداروں کی ضرورت ہے تاکہ حکومت کو اپنے ذمہ دارانہ عہدوں کے لئے دیندار، امین اور مسلمانوں کی ضرورت سمجھنے والے کارکن مل سکیں۔

لیکن اگر کسی ملک میں بدقسمتی سے اسلامی حکومت نہ ہو تو وہاں ایسے اداروں کی ضرورت شدید تر ہو جاتی ہے اگر کوئی جماعت کسی صحیح اسلامی حکومت کی کچھ نہ کچھ قائم مقامی کر سکتی ہے۔ اور حفاظت دین کا فریضہ انجام دے سکتی ہے تو وہ صرف جماعت علماء ہے چنانچہ اسی نکتہ کی وجہ سے اسلامی سلطنت کے زوال کے وقت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے خاندان نے اسلامی تعلیم اور دینی درس و تدریس کا نظام قائم کیا جس نے بڑی حد تک ایک اچھی اسلامی ریاست کی دینی ضرورتیں پوری کیں۔ اہل بصیرت جانتے ہیں کہ عملی حیثیت سے اسلام ہندوستان میں ان ممالک سے بہتر حالت میں ہے۔ جہاں برائے نام اسلامی سلطنت موجود ہے۔ مگر وہی آزاد مدارس کا کوئی نظام یا خاندان ولی اللہی کی شان کے علماء نہیں پیدا ہوئے۔

جب ہندوستان میں حکومت مغلیہ کا چراغ گل ہو گیا اور مسلمانوں کا سیاسی قلعہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تو بالغ نظر اور صاحب فراست علماء نے جابجا اسلام کی شریعت و تہذیب کے قلعے تعمیر کر دئے۔ انہی قلعوں کا نام عربی مدارس ہے اور آج اسلامی شریعت و تہذیب انہیں قلعوں میں پناہ گزیں ہے اور اس کی ساری قوت و استحکام انہی قلعوں پر موقوف ہے ☆

Adarts CAR-3/79